۹۲

کامل ایمان کا پتہ مصیبت کے وقت ہی لگتا ہے

(فرمودہ ۱۰- دسمبر ۱۹۱۵ء)

تشہّد ' تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیت کی تلاوت کی:-

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُاللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ اِطْمَاَنَّ بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ خَسِرَالدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَالْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ [1]

اس کے بعد فرمایا-

ایمان جو انسان کو خداتعالیٰ کے انعامات کا وارث کرتا ہے اور اس کا مقرب پیارا اور نعمتوں کا جاذب بناتا ہے' وہ ایمان ہر قسم کے شکوک اور شبہات اور مَاسِوَاللّٰہ کی محبت سے خالی ہوتا ہے- وہی انسان کو کامیاب کرتا ہے اور خداتعالیٰ کی رضامندی کا باعث ہوتا ہے لیکن وہ ایمان جس میں مَاسِوَاللّٰہ کی محبت کی ملاوٹ ہو وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا- کیونکہ دونوں محبتوں کا یکجا ہونا غیر ممکن ہے-

ہمارے ہاں کے لوگ کہا کرتے ہیں کہ دو کشتیوں میں پاؤں رکھنے والا انسان کبھی نہیں بچ سکتا- اگر دونوں کشتیاں کچھ وقت تک اکٹھی بھی چلی جائیں تو پانی کی رَو ضرور ایک نہ ایک وقت ان کو علیحدہ کردے گی اور دونوں کشتیوں میں پاؤں رکھنے والے انسان کی ٹانگیں چِر جائیں گی اور وہ غرق و تباہ ہوجائے گا- اسی طرح خداتعالیٰ سے تعلق رکھنے والا اور دنیا سے محبت رکھنے والا کیونکر کامیاب ہوسکتا ہے؟ جب تک انسان کامل طور پر خداتعالیٰ سے تعلق پَیدا نہ کرے اور دنیا کی محبت کو نہ چھوڑے کامیاب نہیں ہوسکتا- اکثر دیکھا جاتا ہے کہ لوگ ایسے

ایمان کو لے کر خدا تعالیٰ سے ملنا چاہتے ہیں لیکن ایسے کمزور ایمان والوں کو جب خدا تعالیٰ کی طرف سے انعام یا اکرام ملتا ہے تو بس ان کا ایمان پھوٹ پھوٹ کر نکلتا ہے اور جس جگہ بیٹھتے ہیں وہیں خدا تعالیٰ کے فضلوں اور کرموں کا ذکر شروع کردیتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کی محبت میں ایسے سرشار معلوم ہوتے ہیں کہ گویا ساری دنیا کے انعام انہی پر ہوئے ہیں اور خدا تعالیٰ کی محبت کا ان کو اس قدر اعتبار ہوجاتا ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ اور کسی وقت ان کو کوئی تکلیف پہنچ جائے تو جھٹ شکایت شروع کردیتے ہیں کہ خدا نے آگے ہم پر کون سا انعام کیا تھا جو اب تکلیف بھیج دی ہے۔ ایسے لوگوں کا ایمان اس ملمّع شدہ چیز کی طرح ہوتا ہے جس کا ملمع کچھ دنوں بعد اُتر جائے اور اس چیز کی اصلی حقیقت کھُل جائے۔ اسی طرح جب ایسے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے تو ان کا ایمان جو دنیا کی محبت میں ملوث ہوتا ہے اس ملمّع کی طرح کھُل جاتا ہے اور ان کا کامل ایمان اور خدا تعالیٰ پر یقین کی جو حالت ہوتی ہے کچھ دنوں بعد کھُل جاتی ہے بعض لوگوں کا ایمان کامل بھی ہوتا ہے مگر جب ابتلاء پیش آتا ہے تو ان کا ایمان بھی ڈگمگا جاتا ہے۔

درحقیقت وہ اپنے آپ کو بڑا کامل الایمان خیال کرتے ہیں مگر ابتلاء کے وقت وہ ایسے بودے نکلتے ہیں جس کی کوئی حد نہیں۔ ایسے ہی سکول کے بعض طلباء کی حالت ہوتی ہے وہ بھی اپنے آپ کو بڑا ہوشیار اور بڑا لائق سمجھتے ہیں مگر جب امتحان آتا ہے تو وہ ان کی کمزوری کو بتادیتا ہے۔ اور آئندہ کیلئے اس لڑکے کو ہوشیار کردیتا ہے جس کمزوری کو دیکھ کر اسے زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے۔ اسی طرح بہت سے ابتلاء انسان کو فائدہ دے جاتے اور اس کی ترقی کا باعث ہوتے ہیں۔ اس ابتلاء کے بعد ہی انسان ترقی کرتا اور کوشش میں لگتا ہے جس طرح طلباء کے ماہواری امتحان ان کو بتلادیتے ہیں کہ تم نے اس ماہ میں کس قدر محنت کی اور اس کا کیا ثمرہ پایا۔ اسی طرح ابتلاء انسان کو بتادیتے ہیں کہ اس کے ایمان کی کیا حالت ہے۔ اور وہ اپنے ایمان کو ملونی سے صاف کرنے کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں لیکن وہ لوگ جو ابتلاؤں کے فائدہ نہیں اٹھاتے وہ کبھی ترقی اور کامیابی حاصل نہیں کرسکتے۔ اس قسم کے لوگ نہ تو دنیا میں کامیاب ہوتے ہیں اور نہ آخرت میں پس ایسے لوگ جو ابتلاء کے وقت خدا تعالیٰ سے قطع تعلق کرلیتے ہیں پھرانہیں ذلیل و خوار ہونا پڑتا ہے۔ ایسے لوگ دین میں ہوکر دین سے خارج ہی ہوتے ہیں، بظاہر وہ خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتے، کامل ایمان اور یقین ظاہر کرتے ہیں مگر

درحقیقت ان کو خداتعالیٰ سے ذرا بھی تعلق نہیں ہوتا- پھر خداتعالیٰ ایسے دو طرفہ تعلق رکھنے والے انسانوں کو کبھی پسند نہیں کرتا اور باجود دین سے تعلق رکھنے کے وہ کسی کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتے- ان کے مقابلہ میں کفار جو یکطرفہ تعلق رکھنے والے ہوتے ہیں خداتعالیٰ ان کو ترقی دیتا اور کامیاب کرتا چلا جاتا ہے-

حضرت اقدس علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ جب تُرکوں نے بغداد پر حملہ کیا تو اٹھارہ لاکھ آدمی انہوں نے قتل کئے اور ایسی تباہی مچائی جس کا کوئی ٹھکانہ نہیں- پھر فرماتے تھے کہ ایک شخص ایک ولی اللہ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ دعاکریں کیونکہ مسلمان تباہ اور ہلاک ہورہے ہیں اور کفار نے تمام بڑے بڑے آدمیوں کو قتل کردیا ہے تو اس وقت اس نے کہا کہ مَیں جب آسمان کی طرف دعا کیلئے ہاتھ اُٹھاتا ہوں تو ملائکہ کی طرف سے یہ آواز آتی ہے- اَیُّھَاالْکُفَّارُ! اُقْتُلُواالْفُجَّارَ [۲] اے کافرو- ان فاجروں کو مارو- حالانکہ ان دونوں فریقوں میں بڑا فرق تھا- ایک خدا کو ماننے والے تو دوسرے اس کے منکر- ایک رسولوں اور اس کی کتابوں کو ماننے والے مگر دوسرے اس سے متنفر- ایک دین کو ماننے والے اور دوسرے اس سے بیزار- ایک قرآن کو ماننے والے اور دوسرے اس کو مٹانے والے- اس میں کیا بھید ہے- یہی تو ہے کہ کفار گو ایسے ظاہر دشمن ہیں کہ جن کے دل میں ذرا بھی ایمان نہیں وہ تو خدا کا انکار کرتے ہیں مگر یہ باوجود ماننے کے پھر نہیں مانتے اور دین سے خارج ہیں مسلمان کہتے تو تھے کہ ہم میں ایمان ہے مگر دراصل ان میں ایمان نہ تھا- لَآ اِلٰہَ اِلاَّ للّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہتے تھے مگر پھر ناکام و نامراد تھے یہی بات تو تھی کہ ان کے ایمانوں میں دنیا کی محبت مل گئی تھی اور خداتعالیٰ سے پورا تعلق نہیں رہا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خالص ایمان رکھ کر خداتعالیٰ کو نہیں پکارتے تھے بلکہ ان کا آہ و زاری کرنا کسی خاص مدعا اور مقصد کیلئے تھا وہ خدا کی عبادت کرتے تھے- لیکن درحقیقت ان کی عبادت کسی خاص غرض کیلئے ہوتی تھی-

پس مومن کو چاہیئے کہ یکطرفہ تعلق رکھے- اور ہر رنج دکھ تکلیف اور آرام میں غرض بہرحال خداتعالیٰ سے راضی ہو- بہت مسلمان جب کہ ان سے کہا جاتا ہے کہ تم نماز روزہ ادا کرو تو کہہ دیتے ہیں کہ خداتعالیٰ نے ہم کو دیا کیا ہے جو اتنی مشقّت میں پڑیں- حالانکہ وہ احمق نہیں جانتے کہ جس منہ سے وہ یہ جواب دیتے ہیں اور جس دماغ سے سوچتے ہیں وہ بھی تو خدا ہی کا دیا ہوا تو ہے جب اس کے اس قدر احسان اور انعامات ہم پر ہیں تو کیا وجہ ہے کہ

ہم اس کی شکر گزاری میں نہ لگ جائیں- مولانا رومیؒ نے خاص ایمان والے انسان کے متعلق ایک عجیب قصہ لکھا ہے وہ لکھتے ہیں کہ ایک شخص کے پاس لقمان بطرز غلام رہتے تھے ان کو ان سے بڑی محبت تھی اور ان سے بڑا تعلق تھا اور جو کچھ وہ کھاتا انہیں ساتھ شامل کرتا- ایک دفعہ بے فصل خربوزہ ان کے پاس آیا تو اس نے اس کی قاشیں کاٹ کر حضرت لقمان کو دیں تو انہوں نے اسے بڑے شوق سے کھایا پھر ایک اور دی اسے بھی بڑے شوق سے کھایا آخر اس شخص کو بھی یہ خیال آیا کہ بڑے ہی مزے کی یہ چیز ہوگی جسے لقمان اتنے مزے اور شوق سے کھاتا ہے- جب اسے نے خود ایک قاش لے کر منہ میں ڈالی تو وہ نہایت تلخ تھی اس نے کہا لقمان یہ تو بڑی تلخ اور کڑوی ہے تم اسے اس مزے اور شوق سے کھارہے ہو تو حضرت لقمان نے جواب میں کہا کہ جس کے ہاتھ سے ہزاروں میٹھی چیزیں کھائی ہیں اگر ایک دفعہ کڑوی اور تلخ کھالی تو کون سا حرج ہوگیا ؎ - اس شخص کے احسانات حضرت لقمان پر اتنے کیا ہوں گے لیکن انہوں نے اس کی ایسی قدر کی کہ اس کی دی ہوئی تلخ شے کو بھی میٹھا سمجھ کر کھالیا- پھر خداتعالیٰ کے اس قدر احسانات کے ہوتے ہوئے بھی جن کا کوئی حساب نہیں مومن کو کس ایمان کا نمونہ دکھانا چاہیئے اور اگر کبھی اس کیلئے تکلیف برداشت کرنی پڑے تو کس خوشی سے اس کو قبول کرنا چاہیئے-

پس ہر ایک انسان پر فرض ہے کہ وہ سوچتا رہے کہ مجھ میں لقمان کی روح ہے یا شیطان کی- اگر اس کے اندر لقمان کی روح ہے اور خداتعالیٰ کی باتوں کو ماننے کیلئے ہر وقت تیار ہے اور کسی وقت اس کے احکام میں اپنے آپ کو سرکش نہیں پاتا بلکہ ہر وقت ہر رنج وراحت پر صبر کرنے والا ہے تو وہی کامیاب اور مظفر و منصور ہوسکتا ہے وہ اِلاَّ وہ اپنے ایمان پر بھروسہ نہ کرے اس کا ایمان اسی وقت کام آسکتا ہے جبکہ وہ ہر حالت میں خداتعالیٰ کی مرضی پر راضی ہو اور اگر وہ اپنے ایمان پر بھروسہ کرے گا تو وہ ایمان ضرور اسے نامرادی کا منہ دکھائے گا- اس وقت تو ایمان لانے کیلئے خداتعالیٰ نے بڑی آسانیاں کردی ہیں اور جو دقتیں صحابہؓ کے وقت میں تھیں اب وہ نہیں اس وقت تو ایمان لانے کے واسطے بڑی بڑی دقتوں اور مصیبتوں کو برداشت کرنا پڑتا تھا اور ایمان لانے پر تلوار چلتی تھی- اس وقت نہ تو تلوار ہے اور نہ جانوں کی قربانی کرنی پڑتی ہے- صحابہؓ باوجود ان سب مشکلات اور مصائب کے ابتلاء کا نام نہیں لیتے تھے اور ایسے مصائب اور مشکلات کے ہوتے ہوئے بھی انہوں نے کبھی

خداتعالیٰ کی شکایت نہیں کی- اور ان کو کبھی ایسی ایسی لغو باتوں پر ابتلاء نہیں آیا جیسا کہ اس وقت بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ فلاں بات پر ہمیں ابتلاء آگیا- چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص قادیان میں آیا کوئی شخص اس کے پاس دوڑتا ہوا گزرا تو اسے کہنی لگ گئی اس بات پر اس کو ابتلاء آگیا اور کہنے لگا- کیا حضرت مسیح موعود ؑ کے ایسے ہی مرید ہیں- پھر بعض ایسے بھی ہوتے ہیں اگر ایک وقت روٹی نہ ملے یا جلی ہوئی مل جائے یا چارپائی ہی نہ ملے تو جھٹ ان کو ابتلاء آجاتا ہے- ایسے لوگ ہرزمانہ میں ہوتے ہیں آنحضرت ﷺ کے وقت بھی ایسے انسان موجود تھے لیکن بہت ہی کم- چنانچہ ایک دفعہ ایک جنگلی نے آنحضرت ﷺ کی بیعت کی- کچھ دنوں بعد اسے بخار ہوگیا تو وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آیااور کہنے لگا یارسول اللہ! میری بیعت واپس کردیں کیونکہ مجھے تپ آگیا ہے ۴؎ - مگر برخلاف اس کے ایسے ایسے بھی لوگ تھے جن کے قصے سن کر انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے ایک شخص کا ذکر احادیث میں آتا ہے- قرآن کریم میں بغیر نام ۵؎ کے اس کا ذکر آیا ہے حضرت نبی کریم ﷺ جب تبوک کو تشریف لے گئے تو تمام صحابہ ؓ نے جانے واسطے تیاری کی اور گھوڑے اونٹ تیار کئے لیکن اس شخص نے یہ خیال کیا کہ میں مالدار ہوں جب جانے کا وقت ہوگا تو جھٹ پٹ تمام تیاری کرلی جائے گی اور گھوڑے اونٹ وغیرہ خرید لئے جائیں گے اسی تیاری میں وہ دن آگیا کہ آپ تبوک کو رخصت ہوئے تب اسے خیال آیا کہ جلدی کوئی انتظام کرنا چاہیئے کیونکہ آپ رخصت ہوگئے ہیں- مگر انتظام کرتے کرتے معلوم ہوا کہ آپ ؐ دور نکل گئے ہیں-پس جب اس نے دیکھا کہ اب آپ سے ملنا مشکل ہے تو ارادہ کرلیا کہ جب آپ واپس تشریف لائیں گے تو ایسی مشکلات بیان کروں گا جن کے سبب سے آپ مجھ کو معذور خیال فرماویں گے- جب نبی کریم ﷺ مدینہ میں واپس تشریف لائے تو وہ سب لوگ جو مدینہ میں پیچھے رہ گئے تھی معذرت کیلئے آئے اور ہر ایک نے کوئی نہ کوئی معذوروی اپنے متعلق بیان کردی- آنحضرت ﷺ نے ان سب کیلئے دعا کی لیکن وہ شخص کہتا ہے کہ جس وقت میں آنحضرت ﷺ کے سامنے گیا تو وہ تمام عُذر جو میں نے دل میں گھڑے تھے دل کے دل ہیں میں رہے اور کچھ بھی بیان نہ کرسکا- آخر مجھے کہنا پڑا یا رسول اللہ مجھے میرے نفس نے دھوکا دیا تھا تو آپ نے اس کے واسطے دعا نہ کی- وہ کہتا ہے کہ جب مَیں آپ کے پاس سے اٹھا تو بعض لوگوں نے کہا کہ تو نے عُذر کیوں نہ کیا' دیکھا آپ ؐ تجھ سے ناراض ہوگئے- اس پر کہتا

ہے کہ مجھے خیال آیا کہ مَیں اب بھی جا کر عذر کروں لیکن میرے دل میں آیا کہ پوچھوں تو سہی کہ میرے سوا کسی اَور نے بھی اپنی غلطی کا اقرار کیا ہے- جب پوچھا تو دو اَور شخص معلوم ہوئے وہ کہتا ہے کہ صرف وہ دو ہی شخص مسلمان تھے باقی کو ہم جانتے تھے کہ منافق ہیں- پس میں نے منافقوں میں شامل ہونا نہ چاہا- ان تینوں کے متعلق رسول کریم ﷺ نے حکم دیا کہ کوئی ان سے کلام نہ کرے- پھر کچھ دنوں بعد بیویوں سے جُدا رہنے کا بھی حکم دے دیا- وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ میرا ایک چچا کا بیٹا تھا- ایک دن تنگ ہو کر مَیں اس کے پاس گیا اور کہا کہ تم خوب جانتے ہو کہ میرا کوئی قصور نہیں' صرف سستی کا یہ نتیجہ ہے- اس پر اس نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا اللہ اور اس کا رسول اچھی طرح جانتے ہیں اور اس کے سوا کوئی جواب نہ دیا- اس پر مَیں وہاں سے چلا آیا- راستہ میں ایک عیسائی بادشاہ کا خط کسی نے مجھے دیا جس میں لکھا تھا کہ سنا ہے کہ تیرے ساتھ محمد(ﷺ) نے بہت برا سلوک کیا ہے- ہمیں سن کر بہت افسوس ہوا ہے تو بہت بڑا آدمی ہے تُو ہمارے پاس آجا ہم تیری عزت کریں گے- مَیں نے سمجھا کہ یہ شیطان کا حربہ ہے جو ایلچی خط لے کر آیا تھا اس کے سامنے ہی خط کو پھاڑ کر آگ میں ڈال دیا اور اس کو کہا میری طرف سے یہی جواب ہے- اس شخص اور اس کے ساتھیوں کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے وَ ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ [6] کہ زمین باوجود فراخ ہونے کے ان پر تنگ ہوگئی- لیکن باوجود اس ابتلاء اور اتنی بڑی مصیبت کے اس شخص کو بھی کس قدر عشق تھا کہ اس کے دل پر ذرہ بھی مَیل نہیں آئی بلکہ اس کی محبت کا حال اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیان کرتا ہے انہی ناراضگی کے ایام میں مَیں آنحضرت ﷺ کے پاس جاتا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہہ کر بیٹھ جاتا اور پھر آپ کے منہ کی طرف دیکھتا کہ کیا آپ سلام کا جواب دیتے ہیں یا نہیں جب آپ کا دہن مبارک ہلتا نہ دیکھتا تو خیال کرتا کہ شاید مَیں دیکھ نہیں سکا آپ نے اپنے منہ میں جواب دے دیا ہوگا اور اپنے دل کی تسلی کیلئے پھر اٹھ کر آپ کی مجلس سے چلا جاتا اور پھر واپس آکر سلام کہتا اور اسی طرح بار بار کرتا رہا [7] - یہ تو ایک مثال ہے صحابہ میں اس کی بہت نظیریں موجود ہیں- اگر وہ لوگ بھی ہماری طرح ہی ذرہ ذرہ سی باتوں کو ابتلاء خیال کرتے تو کیسے کامیاب ہوتے- غرض ان لوگوں نے اپنے وطن' دوست' بال بچے' عزیز و اقارب کو چھوڑا اور خدا کے قریب ہوئے- سچی دوستی اور محبت اور کامل ایمان کا پتہ مصیبت کے وقت ہی لگتا ہے- مصیبت کے وقت ساتھ دینے

والے ہی سچے دوست ہوتے ہیں آرام کے وقت میں تو ہر ایک دوست بن جاتا ہے۔

پس تمہیں بھی چاہیئے کہ ہر ابتلاء کے وقت تم دیکھو کہ آیا ہمارے ایمان تو ڈگمگا نہیں گئے اگر تمہارے ایمانوں کو ذرہ ذرہ مصیبتوں اور ابتلاؤں کے وقت میں پھسل جانے کا ڈر ہے تو تم خداتعالیٰ سے تعلق بڑھاؤ اور اپنے ایمانوں کو کامل کرنے کی کوشش کرو۔ کامل ایمان اسی شخص کا ہے جو ابتلاء اور مصیبت کے وقت اپنے ایمان میں ذرا جنبش نہیں دیکھتا۔ سچے تعلق اور رشتہ کا پتہ تو اس وقت لگتا ہے جب کہ مصیبت آئے ورنہ آرام اور آسائش میں تو بدمعاش اور شریر بھی خداتعالیٰ سے بڑی عقیدت اور تعلق ظاہر کرتے ہیں مگر ان کے تعلق اور محبت اور کامل ایمان کا تو اسی وقت پتہ لگتا ہے جبکہ مصیبت اور ابتلاء آئے۔ اس آیت میں فرمایا کہ جس کا تعلق خداتعالیٰ سے ایسا کمزور ہے وہ تو کھلے گھاٹے میں ہے۔ وہ کبھی کامیاب اور مظفر و منصور نہیں ہوسکتا۔ پس ہماری جماعت کو چاہیئے کہ اپنے اندر ایسے ایمان پیدا کریں۔ اور ذرہ ذرہ سی باتوں پر ابتلاء کا لفظ استعمال نہ کیا کریں۔ اگر روٹی نہ ملی تو کہہ دیا کہ ابتلاء آگیا یا کوئی اور چھوٹی سی تکلیف آگئی تو کہہ دیا ابتلاء آیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے وقت میں تو تلوار چلتی تھی اور ابتلاء کا لفظ بھی زبان پر نہ لاتے تھے تم اپنے حوصلوں کو وسیع کرو۔ ایسے کامل ایمان کے لوگ بھی خداتعالیٰ کے فضل و کرم سے ہماری جماعت میں موجود ہیں جن سے بیویاں چھن گئیں، مکانات چِھن گئے، عزتیں جاتی رہیں، بچوں کو سکولوں سے روک دیا گیا اور طرح طرح کی اذیتیں ان کو دی گئیں مگر انہوں نے کبھی ابتلاء کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ دیکھو شاہزادہ عبداللطیف صاحب کو کیسی تکالیف دی گئیں مگر انہوں نے کبھی اس بات کا اظہار نہیں کیا کہ مجھے ابتلاء پیش آیا ہے۔ جو شخص شہزادہ عبداللطیف کے واقعات کو پیش نظر رکھے گا وہ ضرور فائدہ اٹھائے گا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ابتلاء کا لفظ استعمال کیا ہے لیکن جانتے ہو وہ کیا ابتلاء تھا۔ آپ کے ابتلاؤں میں سے ایک تو ظاہر ہے یہ تھا کہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ اپنے بچہ کو اپنے ہاتھ سے قتل کردیں لیکن وہ بِلا کسی عُذر کے ایسا کرنے پر تیار ہوگئے آخر اللہ تعالیٰ کے بڑے بڑے انعامات کے وارث ہوئے۔

پس ذرا ذرا سی باتوں پر ابتلاء کا لفظ بولنا ایمان کی کمزوری کا ثبوت ہے۔ بہت کم ہیں جنہیں ابتلاء آئے ہیں۔ ابتلاء کوئی چھوٹا سا لفظ نہیں۔ ابتلاء تو ایمان کی آزمائش کیلئے ہوتا ہے۔ گورنمنٹ بھی اپنے خادموں کی لیاقت ظاہر کرنے کیلئے ان کا امتحان لیتی ہے۔ ان ابتلاؤں سے

تو جن کو لوگ آج کل ابتلاء قرار دیتے ہیں ان امتحانوں کی سختی ہی زیادہ ہوتی ہے۔ پھر سمجھنا چاہیئے کہ خداتعالیٰ کا امتحان کیسا ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو وہ ایمان دے جو بڑے سے بڑے ابتلاء میں بھی قائم رہنے والا ہو لیکن ساتھ ہی ہم کو ابتلاء سے محفوظ بھی رکھے کہ ہم کمزور انسان ہیں۔

جو لوگ جلسہ کے منتظم ہیں ان کی یہ خواہش ہے کہ مَیں پھر لوگوں کو جلسہ کے کام کیلئے توجہ دلاؤں اور مہمانوں سے اچھا سلوک کرنے کی ترغیب دوں۔ بعض لوگ اس بات کی چنداں پرواہ نہیں کرتے اور مہمانوں سے جیسا سلوک کرنا چاہیئے وہ نہیں کرتے۔ حضرت مسیح موعودؑ کے وقت میں بعض مہمانوں کو کھانے کی تکلیف ہوئی اور بعض لوگ میزبانوں کی بے توجہی سے بھوکے رہے۔ تو حضرتؑ کو یہ الہام ہوا یٰاَیُّھَاالنَّبِیُّ اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۸۔ پس تمہیں مہمانوں کی خاطر و تواضع اس طرح کرنی چاہیئے جیسا کہ تم چاہتے ہو کہ کوئی تمہاری خاطر کرے۔ کیا تم چاہتے ہو کہ تم کسی کے ہاں مہمان جاؤ اور وہ تمہاری طرف توجہ بھی نہ کریں اور جب تمہارا سالن یا روٹی ختم ہوجائے تو وہ تمہیں کہہ دیں کہ اب سالن ختم ہوگیا ہے۔ پس ایسا نہ ہو کہ کوئی بات دریافت کریں تو ان کو خشک جواب دے دیا جائے۔ مثلاً اگر کوئی ناواقف شہر میں آجائے اور اس کی جگہ باہر ہو تو اسے کہہ دیا جائے کہ آپ کی جگہ یہاں نہیں آپ وہاں جائیں اور وہاں جائے تو باہر والے کہہ دیں کہ فلاں جگہ چلے جائیں وہ بیچارہ حیران ہو کر ادھر ادھر چکر لگاتا رہے۔ پس ہر ایک کو چاہیئے خواہ وہ اس کا کام ہو یا نہ ہو اس کو واقف کراویں اگر خود نہ ساتھ جاسکیں تو کسی دوسرے کو اس کے ساتھ کردیں جو ان کو جگہ بتلادے۔ اگر کوئی غلطی ان سے ہوجائے تو بھی اپنی طرف ہی اسے منسوب کریں کیونکہ مہمانوں کا کام نہیں ہوتا کہ وہ تمہارے قواعد کو یاد کریں یہ قواعد صرف کارکنوں کی ہدایت کیلئے ہیں۔ بعض دفعہ دونوں جگہ مختلف کھانے پکنے سے بڑی ابتری پھیلتی ہے جو چیز یہاں پکے وہی چیز وہاں پکے ہر ایک تکلیف برداشت کرکے بھی انتظام کی عمدگی کی کوشش کرو۔ بہت دفعہ کام سے کلام اچھا ہوتا ہے اگر تم اچھے اخلاق اور سلوک سے پیش آؤ گے تو وہ تمہاری محبت اور اخلاق ان اعلیٰ اعلیٰ کھانوں سے بہتر ہے جن کے ساتھ ترش روئی اور بدسلوکی کا برتاؤ ہو۔

پس تم کام بھی اچھا کرو اور کلام بھی اور اپنا ظاہر و باطن دونوں یکساں رکھو۔ بعض لوگ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ جب ہم دل سے خدا کا نام لیتے ہیں تو منہ اور جسم ہلانے کی کیا

ضرورت ہے مگر یہ ان کی جہالت ہے۔ روح کو جسم سے تعلق ہوتا ہے۔ پس یہ مت خیال کرو کہ ہمارے دل میں ان مہمانوں کی عزت اور محبت ہے جو کچھ دل میں ہے اس کو ظاہر بھی کرو اور صحابہؓ کی طرح مہمانوں کی خاطر و تواضع کرو۔ ایک دفعہ حضرت نبی کریم ﷺ کے پاس کچھ مہمان آگئے تو ایک صحابی نے کہا یا رسول اللہ! ایک مہمان مجھے دے دیں میں اسے روٹی کھلاؤں گا۔ دوسرے نے کہا یا رسول اللہ! دو مہمان مجھے دے دیں۔ جس کے دو مہمان تھے اس کے گھر میں صرف دو ہی آدمیوں کا کھانا تھا اس نے بیوی سے کہا کہ بچوں کو سُلادو اور کہہ دو کہ کھانا کھانے کے وقت تم کو جگا دیں دے بچے سوگئے بیوی سے کہا کہ مَیں تم سے کہوں گا کہ ذرا چراغ کی بتّی کو اور اونچا کردو۔ تو تم نے اس طرز سے اونچا کرنا ہے کہ وہ بجھ جائے۔ خیر اس نے ایسا ہی کیا۔ چراغ بجھنے کے بعد انہوں نے مہمانوں کو کہا کہ آپ اندھیرے میں ہی کھالیں۔ دیا تو اب بجھ گیا ہے۔ مہمانوں نے کھانا شروع کیا تو یہ بھی اس طرز سے منہ ہلاتے رہے کہ گویا خود بھی کھارہے ہیں۔ جب صبح ہوئی تو وہ شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا۔ آپ مسکرائے اور ساتھ ہی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بھی تمہارے اس فعل پر ہنسا اور خوش ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریمؐ کو بتلادیا کہ میں اس شخص پر خوش ہوں ۹۔

پس تم کو بھی چاہیئے کہ تم مہمانوں کی خدمت میں لگ جاؤ۔ اور کسی قسم کی غفلت نہ کرو کیونکہ مہمان نوازی خداتعالیٰ کی خوشی کا باعث ہوتی ہے بیشک مہمانداری ایک دوسری چیز ہے۔ اور اصل غرض تو دین کی اشاعت اور اتحاد جماعت ہے جس کیلئے جلسہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر مہمانوں کو تکلیف ہو تو وہ بے فکر ہوکر اس کام میں کیونکر شریک ہوسکتے ہیں جس کیلئے وہ یہاں آتے ہیں۔ پس گو وہ اس لئے یہاں نہیں آتے کہ ان کی خاطر کی جائے لیکن آپ لوگوں کی خدمت اصل غرض کے پورا کرنے میں بہت کچھ مدد دے سکتی ہے۔

(الفضل ۱۸۔دسمبر ۱۹۱۵ء)

۱؎ الحج: ۱۲

۲؎ مہر منیر فیض احمد فیض جامعہ غوثیہ گولڑہ صفحہ ۳۴۔

۳؎ مثنوی مولوی معنوی مولانا جلال الدین رومی دفتر دوم صفحہ ۱۵۱ تا ۱۵۳۔ ناشران اردو بازار لاہور مترجم قاضی سجاد حسین

۴؎ بخاری کتاب الاحکام باب من بایع ثم استقال البیعة-

۵؎ حضرت کعب بن مالک (مرتب)-

۶؎ التوبة:۱۱۸

۷؎ بخاری کتاب المغازی باب حدیث کعب بن مالك-

۸؎ تذکرہ صفحہ ۷۴۶- ایڈیشن چہارم

۹؎ بخاری کتاب التفسیر- تفسیر سورة الحشر باب قولهٗ و یؤثرون علٰی أنفسهم و مسلم کتاب الاشربة باب اکرام ضیف